DOI: https://doi.org/10.52015/albasirah.v11i01.30

Al-Basirah البصیرۃ
Volume 11, Issue 01, (June 2022)
https://albasirah.numl.edu.pk/ eISSN: 2222-4548, pISSN: 2520-7334

مدارس کے نصابِ تعلیم کو درپیش جدید تحدیات کا جائزہ

Contemporary Challenges for Madārīs Curriculum

Dr. Syed Aziz ur Rehman[1]
[1]Assistant Professor/In-charge RDC Sindh, International Islamic University Islamabad. syed.azizurrahman@gmail.com

Received: May 2, 2022 | Revised: June 25, 2022 | Accepted: June 25, 2022 | Available Online: June 30, 2022

ABSTRACT

The role of religious schools i.e. Madāris and their education system i.e. Dars e Nizāmi in the subcontinent is immense. They have played a great part in the promotion of knowledge, and spreading literacy, especially in the Sciences of Qur'ān, Ḥadith, Islamic Jurisprudence, Arabic language, and Literature, which includes research in these areas. Its impact on society cannot be omitted from history. In this paper, we will discuss the historical background of Madāris and Dars-e-Nizami, its evolution and current situation, along with the idea for betterment in it, with a few comments regarding a few changes from the senior clerics of the system. We will also discuss the importance of this change. In the end, we have given a few suggestions to the new graduates of Madāris, that will clear the picture of their pathway of life and broader their spectrum.

Funding: This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Correspondence Author: syed.azizurrahman@gmail.com

تعارف

فرنگی محل لکھنو (انڈیا) کا ایک محلہ ہے جو ایک فرانسیسی تاجر کی رہائش گاہ کے سبب اس نام سے مشہور ہوا۔ اس کی یہ رہائش بعد میں ایک درس گاہ کی شکل اختیار کر گئی اور یہ درس گاہ بھی اس قدر معروف ہوئی کہ اس نے ایک علمی مکتب فکر کی صورت میں شہرت پائی۔ تاریخ برِ صغیر میں علمائے فرنگی محل علیحدہ سے اپنی علمی اور تہذیبی شناخت رکھتے ہیں۔ علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین مشہور ہیں۔ آپ کا سن وفات 1748ھ ہے۔ آپ نے بہ طور مدرّس شہرت پائی، اور شیخ محمد اکرام کے بہ قول:

> "تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ آپ کے درس وتدریس کے مقابلے میں باقی سب علما کے درس بے رونق ہو گئے، اور ہندوستان میں شاید ہی کوئی ہو گا جس کی شاگردی کا سلسلہ آپ کے شاگردوں یا فرزندوں میں سے کسی تک نہ پہنچتا ہو۔"[1]

ہمارے ہاں معروف اور اس تحقیق کا محور درس نظامی ملا نظام الدین ہی کی جانب منسوب ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے ایک رائے ہمارے پیش نظر مزید بھی رہنی چاہئے، ہندوستان کے ایک بڑے خانوادے کے بزرگ شاہ سلیمان پھلواروی کی رائے یہ ہے:

1۔ شیخ محمد اکرام۔ رودِ کوثر۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۲۰۰۱ء: ص ۴۲۲

"اور اس درس موجودہ کو حضرت قبلہ ملا نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس کہنا سراسر گستاخی و بے ادبی ہے۔ حضرت ملا صاحب نے نہ یہ موجودہ کتابیں پڑھائیں اور نہ اکثر کتابیں ان کے وقت میں تالیف ہوئی تھیں۔۔۔۔ہاں اگر ملا فتح اللہ شیرازی کو اس درس کا بانی کہا جائے تو بے جا نہیں۔ حضرت ملا صاحب (نظام الدین) قدس صوفی صافی عالی مشرب تھے۔ اگر وہ اس نظام درس کو درس فرماتے تو تصوف یا اخلاق کی کوئی کتاب اس میں ضرور داخل کرتے۔۔۔"[1]

ہم اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ یہ نظام عرصے سے اس خطے میں رائج تھا، بعض ضرورتوں کے تحت یہ نظام معروف ہوا، انگریزی عہد کے آغاز پر اس کی تدوین ہوئی۔ ملا نظام الدین نے ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایک ایسا نظام وضع کیا، جو اگرچہ پہلے سے موجود تھا، مگر اس وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے نظر ثانی کا محتاج تھا۔ یوں یہ نظام اپنی اصل کے اعتبار سے قدیم ہونے کے باوجود بعض جدتوں کا حامل تھا، جن میں خاص طور پر یہ بات قابل ذکر تھی کہ اس نظام میں دینی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس وقت کی دنیاوی ضرورتوں کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔ اس نظام کی خصوصیات پر اس خطے کے نمائندہ سیرت نگار و محقق اور اس نظام کے پروردہ علامہ شبلی نعمانی کی رائے نہایت اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"1۔ نصاب میں ہندوستان کے علما کی متعدد کتابیں داخل ہیں۔ مثلاً نور الانوار، سلم، مسلم، رشیدیہ، شمس بازغہ، حال آں کہ اس سے پہلے یہاں کی ایک تصنیف بھی درس میں داخل نہ تھی۔
2۔ ہر فن کی وہ کتابیں لی ہیں، جن سے زیادہ مشکل اس فن میں کوئی کتاب نہ تھی۔
3۔ منطق و فلسفے کی کتابیں تمام علوم کی نسبت زیادہ ہیں۔
4۔ حدیث کی صرف ایک کتاب ہے یعنی مشکوٰۃ۔
5۔ ادب کا حصہ بہت کم ہے۔"

اس نصاب میں سب سے زیادہ مقدم خصوصیت جو ملا صاحب کو پیشِ نظر تھی، یہ تھی کہ قوتِ مطالعہ اس قدر قوی ہو جائے کہ نصاب کے ختم کرنے کے بعد طالب العلم جس فن کی جو کتاب چاہے سمجھ سکے، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ درس نظامیہ کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی، بہ خلاف درس قدیم کے کہ اس سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ چوں کہ اس میں فقہ کی کتابیں بہت کم ہیں، اور جو ہیں ان میں معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے، اس لئے اس نصاب سے وہ تقشّف، ظاہر پرستی اور مذہب کا بے جا تعصب نہیں پیدا ہوتا تھا، جو سطحی فقہا کا خاصہ ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ فرنگی محل میں جو بڑے بڑے علما پیدا ہوئے ان میں کسی نے مذہبی مناظرات کی کوئی کتاب

1۔ رودِ کوثر: ص ۴۲۳

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

نہیں لکھی۔"[1]

ہندوستان کی معروف علمی و تعلیمی شخصیت سید حامد مدارس کے اسی کردار کو ایک اور زاویے سے دیکھتے ہیں۔ وہ مدارس دینیہ کے امتیازی پہلو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مدارس کی معنویت اکہری نہیں دوہری ہے۔ اخلاقی اقدار اور کردار اور شخصیت کے نشو ونما کے علاوہ دینی مدارس مسلمانوں کی انفرادیت، ان کی علیحدہ شخصیت کا تحفظ بھی کرتے ہیں۔۔۔ امام میسر ہوتے نہ مؤذن، نہ مذہب کی شرح کرنے والے نہ مہد سے لحد تک کے سفر کو بندگی، یک سوئی اور ترتیب کے ساتھ طے کرانے والے۔۔۔ مدارس کا وجود ہماری انفرادیت اور تشخص کے لیے ضروری ہے"[2]

یہی وہ نظام ہے، جو بعد میں چل کر دیوبند کے قیام کے بعد اس کے نظام تعلیم کی بنیاد بنا۔ اگرچہ، جیسا کہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کی رائے ہم پیش کر چکے ہیں، یہ نظام ملا صاحب کے پیش کردہ نظام سے خاصا مختلف تھا، مگر اسے ملا نظام الدین کے نصاب کی توسیعی شکل قرار دینا شاید غلط نہ ہو۔ قیام دیوبند سے کوئی سو برس قبل جب شاہ عالم ثانی نے انگریزوں سے معاہدہ کیا کہ: ''سیاسی اقتدار دستوری اور آئینی طور پر مسلمان کا رہے گا، شریعت کی بالادستی ہو گی، عدالتیں قانونِ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گی اور فقہ حنفی کے ماہر قاضی مقرر کیے جائیں گے جو فقہ حنفی کے مطابق عدالتوں میں مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کریں گے''۔ یہ تحریری معاہدہ باقاعدہ 62-1761ء میں ہوا اور شاہ عالم ثانی کے ساتھ انگریزوں نے طے کیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے ادارے موجود تھے، مسلمانوں کی تعلیمی روایات پہلے کی طرح جاری رہیں۔ اس لئے کہ معاشرے میں جب تک کسی چیز کی امید اور طلب نہ ہو تو اس وقت تک وہ چیز پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ہاں جب معاشرے میں ایک چیز کا چلن ہو جائے تو پھر معاشرے میں خود بہ خود وہ چیز سامنے آجاتی ہے۔ یہ طلب اور رسد کا ایک عام اصول ہے۔ لیکن انگریزوں نے اس معاہدے کو نظر انداز کیا اور 1857ء میں انہوں نے انگریزی قانون مکمل طور پر نافذ کر دیا۔ سرکاری زبان فارسی و عربی کو ختم کر کے انگریزی قائم کر دی۔ مسلمانوں کے خصوصاً تعلیمی وتدریسی اداروں کے اوقاف ختم کر دیے اور انگریزی قوانین ایک ایک کر کے نافذ کرنا شروع کر دیئے۔ نتیجتاً معاشرے میں فاضلین کی کوئی کھپت نہ تھی۔ یہ صورت حال 1857ء سے لے کر 1947ء تک جاری رہی۔[3]

ایک وقت تھا کہ اس خطے میں مسلمانوں کو اپنی بقا کی جدوجہد درپیش تھی اور خالص اسلامی علوم اور مسلم روایات، تہذیب و ثقافت کا تحفظ پیش نظر تھا۔ اس وقت کا اصل ہدف یہ تھا کہ ایک ایسا ادارہ بنایا جائے، جہاں مسلمانوں کی

1۔ شبلی نعمانی، علامہ۔ ملا نظام الدین علیہ الرحمۃ۔ مشمولہ: ماہ نامہ معارف، اعظم گڑھ۔ فروری 1900ء

2۔ سید حامد۔ دینی مدارس کا نظام تعلیم، عصر حاضر میں معنویت اور اصلاح کی ضرورت شمولہ: سہ ماہی اسلام عصر جدید (سہ ماہی) (مدیر: اختر الواسع۔ ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ اکتوبر 2000ء: ص، ۵۶

3۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم۔ ترتیب: سید عزیز الرحمن۔ الشریعہ اکادمی، گجراں والا 2009ء: ص ۶۰

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

دِینی زندگی کے کم سے کم تقاضے کو برقرار رکھا جائے یعنی کم از کم وہ بیج موجود رہے، وہ گملا رکھا رہے، جس سے گلستان بعد میں تیار ہو سکے۔ گلستان تو اُجاڑ دیا، درختوں کو اُکھاڑ کے پھینک دیا، اُن کے بیج کہیں کہیں موجود تھے، وہ چھوٹے چھوٹے گملے بنا کے محفوظ کر لئے گئے۔ یہ صورت تھی دیوبند کے قیام کی۔ پاکستان اِس کام کے لیے بنایا گیا تھا کہ برّصغیر کے مسلمانوں کا ایک مستقل قومی وطن ہو گا، برّصغیر کے مسلمانوں کا ایک ایسا وطن ہو گا، جہاں مسلمانوں کو اِسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ یہ بات دُہرانے کی ضرورت نہیں کہ 36-1935ء سے یہ بات مسلسل کہی گئی اور اِسی لئے برّصغیر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا۔[1]

پاکستان بننے کے بعد ہونے والی تبدیلی

پاکستان بننے کے بعد صورتِ حال تبدیل ہو گئی، حالات بدل گئے، اب اہداف بھی تبدیل ہو جانے چاہئے تھے۔ اب نئے سرے سے صف بندی درکار تھی۔ قیام پاکستان کے بعد دینی تصور، مسلمانوں کا ملی شعور اور ان کے اجتماعی اہداف تبدیل ہو جانے چاہئے تھے۔ لیکن نہیں ہوئے، کیوں نہیں ہوئے؟ اس وقت اس کے جواب کا موقع نہیں، اور شاید اس بحث میں اُلجھنے کا حاصل بھی کچھ نہیں۔ ہاں اس کے نقصانات ضرور پیش نظر رہنے چاہئیں۔ لیکن اس سے قبل ہم اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان زعما کے ذہنوں میں ابتدا ہی سے اس کا تصور موجود تھا کہ نئی مملکت میں ہمیں کن کن امور کو اولیت دینی ہے، اور کس کس حوالے سے فوری اقدامات ضروری ہیں۔ مسلمان زعما کے ذہنوں میں ان اقدامات کا عملی خاکہ نہ صرف موجود تھا، بلکہ نہایت پختہ تھا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے قبل چند مشاہیر کی آرا کے اقتباسات پیش کریں۔

نواب محسن الملک سیّد مہدی علی خان (1907م) ایک موقعے پر کہتے ہیں :

> ہمارا یہ ہر گز مقصد نہیں ہے کہ ہم انگریزوں کی کورانہ تقلید کریں، اپنے بچوں کو صرف وہ تعلیم دلائیں جو فقط دنیا کے لیے مفید ہوا، اور جس سے وہ صرف گورنمنٹ کی ملازمت کے لائق ہو جائیں، بلکہ ہمارا مقصد اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ ہم اس قسم کی تعلیم کو ہر گز تعلیم بھی نہیں کہتے۔ ہمارے نزدیک تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے صرف چند پیشوں کے کام کرنے کی لیاقت حاصل ہو۔ بلکہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تمام قوتیں جو خدا نے انسان میں رکھی ہیں وہ نمو پائیں اور نہ صرف ان ہی قوتوں کو نمو دیا جائے جو ہماری جسمانی آسائش کے کام آئیں بلکہ روحانی قوتوں کا کام میں لانا اور دماغ کو غذا پہنچانا تعلیم کا اصلی مقصود ہے۔۔۔[2]

اسی طرح جسٹس سیّد امیر علی (1928م) ایک موقعے پر فرماتے ہیں:

> تعلیم ایک ذریعہ ہونا چاہئے، تہذیب نفس اور تزکیۂ اخلاق کا۔ تربیت تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے۔ بغیر تربیت کے تعلیم غیر مفید

1۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ دینی و عصری تعلیم کا امتزاج، فوائد و نقصانات۔ مشمولہ مجموعہ مقالات تدریب المعلمین جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور 2010ء: ج ۲، ص ۱۷۶

2۔ محمد حسین خان زبیری۔ مشاہیر کے تعلیمی نظریے۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی: ص ۵۶

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ہی نہیں، بلکہ مضر ہوتی ہے۔ مغرب میں تعلیم و تربیت دوش بہ دوش چلتی ہیں۔ میرے نزدیک کوئی تعلیم مکمل یا جامع نہیں کہلائی جاسکتی، جس کا مقصد کیریکٹر کی اصلاح و درستی نہ ہو۔۔۔[1]

اور مولوی فضل الحق (1962م) کی رائے یہ ہے :

ہندوستان میں ہمارا تعلیمی مقصود یہ تھا کہ طالب علم کے قوائے ظاہری و باطنی کو مرتب و منظم کر کے اس کے اخلاق و عادات میں شگفتگی اور نظم پیدا کیا جائے اور اسے انسان کامل بننے کی راہ پر لگا دیا جائے، ایسا انسان جو صفات صوری اور کمالات معنوی میں ارتقا حاصل کر کے فلاح دنیوی اور نجات اخروی کا مستوجب اور دوسروں کے لیے موجب رحمت و سعادت ہو۔اس تمام خاکے کا مرکز مذہب ہے۔[2]

پھر مزید دیکھئے کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان تعلیم کی مرکزیت اور اس کی دینی اہمیت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں :

ہماری دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم ہو، ایسی ہو کہ زندگی اور زندگی کے ہر شعبے کے متعلق وسیع معنی میں وہ نقطہ نظر پیدا کر دے، جو قرون اولی کے مسلمانوں کا تھا، ان میں عالم کم تھے، مگر ہر ایک مکمل مسلمان تھا، ماہر سیاست، جنرل، تاجر، مزدور، میاں، بی بی، ماں باپ اور اولاد ہر منصب کے فرائض وہ مسلمان کی حیثیت اور اسلامی نقطہ نظر سے انجام دیتے تھے، زندگی میں یہ جامعیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔[3]

اس حوالے سے خود قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تصور نہایت واضح تھا۔ تعلیم ، نظام تعلیم اور اس کی دینی روایت و ضرورت کے حوالے سے قائد اعظمؒ کے چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔ قائد اعظمؒ اس بات کے پوری شدت کے ساتھ قائل تھے کہ مسلمانوں کے نظام حیات اور نظام حکومت کے لیے قرآن کریم سے ہی رہ نمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چناں چہ ایک موقع پر فرمایا:

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے، ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی"۔[4]

ایک مرتبہ قرآن کریم کی اتباع کی ضرورت واہمیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"قرآن نے انسان کو خدا کا خلیفہ اور نائب کہا ہے اور انسان کی اس تعریف کو اگر کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے تو پھر وہ ہم

1۔ایضاً: ص۵۸

2۔ایضاً: ص۷۵

3۔ بریلوی، سید مصطفی علی۔ شہید ملت لیاقت علی خان۔آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی: ص۵۶

4۔پروفیسر سید محمد سلیم۔تاریخ نظریہ پاکستان۔لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق۔: ص۲۱۸

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

پر قرآن کی اتباع کا فرض عائد کرتی ہے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا تقاضا کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔"[1]

حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مسلمانان پاکستان کے سامنے واضح ہدف یہ تھا کہ ایک ایسا نظام تعلیم تشکیل دیں، جس کے نتیجے میں ان کے علمی، فکری اور اعتقادی مسائل بھی حل ہوں اور وہ اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ ساتھ معاشرت، معیشت، صنعت، سیاست، تعلیم، تنظیم ہر ایک کو خالص اسلامی فکر اور تصورات کے ماتحت منضبط و متشکل کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے قیام پاکستان کے فوراً بعد مسلم لیگ کے قائدین نے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی کے ذمے تین کام تھے :ایک: نظام تعلیم، دوسرا: نظام معیشت اور تیسرا: نظام سیاست کے حوالے سے اسلامی فکر کو مرتب کر کے ان کے اسلامی تصورات عملی خاکے کی شکل میں پیش کرے۔
نظام سیاست کا خاکہ مطبوعہ موجود ہے۔ نظام معیشت کا ابتدائی خاکہ تیار کیا گیا تھا جو 1947ء کے ہنگاموں میں ضائع ہو گیا۔ تعلیم و ثقافت کے نظام میں یا تو کمیٹی کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا یا اس کا تحریری بیان سامنے نہیں آیا، لیکن اس سے یہ ضرور اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ کے صف اول کے قائدین کے دل میں اس کا احساس موجود تھا اور اس دور کے جن اہل علم کو اس کام کے لیے مناسب سمجھا گیا، ان اہل علم کو ہی دعوت دی گئی۔ پاکستان بننے کے بعد (اگست میں پاکستان بنا) تین مہینے کے اندر اندر اکتوبر 1947ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کے کہنے پر پاکستان میں پہلی تعلیمی کانفرنس بلائی گئی، اس کانفرنس کے نام ایک پیغام میں آپ نے اس وقت کے نظام تعلیم میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا کہ ہمیں مثبت نظام تعلیم کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں۔[2] قائد اعظم کی دل چسپی صرف تعلیم ہی سے نہیں تھی، وہ پورے نظام کو نئے انداز سے قرآن و سنت کی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ بینک دولت پاکستان کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"میں آپ کے ادارے کی تحقیقات کے اس کام کا بڑی دل چسپی سے مطالعہ کروں گا جو وہ بینکنگ کے طریقہ کار کو اسلام کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے مطابق وضع کرنے کے لیے انجام دے رہا ہے۔۔۔ ہمیں اپنے مستقبل کی تعمیر اپنے طریقے پر کرنی چاہئے۔ اور دنیا کے سامنے وہ نظام اقتصادی تحفتاً پیش کرنا چاہئے۔ جو اسلام کے سچے تصور مساوات انسانی اور معاشرتی انصاف پر مبنی ہو۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے حوالے سے متحرک اور سرگرم ہر شخص اس سلسلے میں یک سُو تھا کہ قیام پاکستان کے مسلمانوں کو یہ موقع ملے گا کہ وہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے اپنی زندگی از سر نو شروع کر سکیں، اور ایسا نظام تعلیم تشکیل دے سکیں جو مسلمانوں کو ایک مرکز پر یک جا کر سکے اور ان کی قوتوں کو مجتمع کر سکے۔ لیکن یہ سب نہ ہو سکا۔

1۔آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے عید الفطر کا نشری پیغام۔ ۱۳، نومبر ۱۹۳۹ء
2۔غازی، محمود احمد، مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم: ص ۶۲

3 Speaches as Governor General P-153

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس نوزائدہ اسلامی ریاست میں روز اول ہی سے تعلیم دو حصوں میں بٹ گئی، اور دین و دنیا کی وہ مصنوعی، غیر اسلامی اور خالصتاً لادینی و سیکولر تقسیم کی بنیاد رکھ دی گئی، جس نے اس مملکت میں بسنے والے انسانوں کو علمی، فکری، تہذیبی اور عملی طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

درس نظامی میں ترامیم کی ضرورت۔اہل علم و فکر کا نقطۂ نظر

درس نظامی کی بابت کے یہ نظام تعلیم کا تسلسل تھا، جو اتفاق سے ملا نظام الدین کی طرف منسوب ہو گیا۔ آج تک بیسیوں ترامیم کے باوجود اُن ہی کی جانب منسوب چلا آرہا ہے۔ ہر دور میں اہل علم اور ماہرین تعلیم درس نظامی میں ترمیم اور تبدیلیوں کی ضرورت کی طرف متوجہ بھی رہے اور مساعی سے اس نظام تعلیم کو اپنے اپنے عہد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے تجاویز بھی پیش فرماتے رہے۔ ان کاوشوں میں جہاں معروف اہل تعلیم کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں، وہیں بعض ایسے اہل علم کی آرا بھی ہمارے سامنے آتی ہیں جن کا اس حوالے سے تعارف عامۃ الناس کے سامنے شاید موجود نہ ہو۔ چناں چہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے آج سے کوئی 65، 70 برس قبل اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس جانب توجہ دلائی تھی، بلکہ ایک خاکہ بھی پیش فرمایا تھا۔[1] اس سے بھی قبل تاریخ کے اوراق کے پیچھے جا کر نظر ڈالی جائے تو ایسی شخصیات بڑی تعداد میں نظر آئیں گی۔

اصل قصہ یہ ہے کہ ہماری دانست میں مدارس کا نظام و حساب اور ان کے فضلا کی علمی، ذہنی، فکری اور عملی صلاحیتیں لادینیت کا مقابلہ کرنے کے لیے بنیادی ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مرور زمانہ کے ساتھ جہاں قویٰ مضمحل ہوئے، ہر میدان میں تنزل آیا، وہیں فکر و فن کی دنیا اور علم و فضل کے میدان بھی اس سے متاثر ہوئے۔ دوسری جانب یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مقاصد و اہداف کبھی تبدیل نہیں ہوتے، لیکن طریقہ کار میں تبدیلی ہر ارتقائی عمل اور زندہ نظام کی بنیادی علامات ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہم پر لازم ہے کہ حالات کا تجزیہ کریں، اہداف کے بارے میں اپنے ذہن واضح کر کے متعین مقاصد کی روشنی میں ان کے حصول کے لیے طریقہ کار طے کریں اور عصری ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر قدیم اسلوب میں مناسب اور ضروری تبدیلیاں تجویز کریں۔ اس طرح نظام میں موجود کمزوریوں کو دور کر کے پوری قوت کے ساتھ اپنی فکری اور عملی طاقت کو اپنے تاب ناک ماضی کی طرح علومِ دینیہ، مقاصدِ شریعہ اور اپنی دعوتی و اخلاقی ذمے داریوں کی تکمیل میں صرف کر سکیں۔

جدید و قدیم نظام تعلیم؛ امتزاج، اختلاف، تدارک

برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا نظام تعلیم ایک جامع مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔ برِ صغیر کے مسلمانوں کی بعض تاریخی کوتاہیاں اپنی جگہ، لیکن ان کا نظام تعلیم ایک معیاری اور مکمل تھا۔ مسلمانوں کی دینی و عصری ہر نوعیت کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کافی تھا۔ یہ نظام اس قدر جامعیت کا حامل تھا کہ اسی نظام نے جہاں ایک جانب مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسا بزرگ پیدا کیا، جن کے بارے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی علامہ اقبال کے حوالے سے کہتے ہیں

1 گیلانی، مناظر احسن، مولانا۔ میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ۔ مشمولہ معارف، اعظم گڑھ۔ انڈیا، مئی ۱۹۵۶ء

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

کہ The Greatest Religious Genius India Has Produced یعنی مسلم ہندوستان میں سب سے بڑا مذہبی عبقری جو پیدا ہوا ہے تو وہ حضرت مجددؒ کی ذات گرامی ہے۔[1] شیخ احمد سرہندی اور نواب سعد اللہ خان دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔ نواب سعد اللہ خان وہ سیاست دان ہیں جو شاہ جہاں کے دور میں پورے ہندوستان کے وزیر اعظم تھے۔ یعنی موجودہ افغانستان، موجودہ پاکستان، موجودہ ہندوستان، موجودہ مشرقی پاکستان، موجودہ سری لنکا اور موجودہ نیپال کم از کم یہ چھ ملک اتنی بڑی سلطنت میں شامل تھے، جس کا نواب سعد اللہ خان کم از کم اڑتالیس سال وزیر اعظم رہا ہے۔ گویا بڑی بڑی سلطنتیں چلانے والے مدبرین اور اعلیٰ سے اعلیٰ دینی قیادتیں فراہم کرنے والے بزرگان (جو مجدد الف ثانیؒ کے درجے کے لوگ ہوں) وہ اسی ایک نظام نے پیدا کئے۔

اس طرح جس مہندس (انجینئر) نے تاج محل بنایا، وہ امریکا یا برطانیہ کا تربیت یافتہ نہیں تھا، بلکہ وہ اسی نظام تعلیم کا ہی پڑھا ہوا تھا۔ ان ہی چٹائیوں پر بیٹھ کر یہی صرف و نحو کی کتابیں پڑھ کر اور یہی ریاضی اور ہندسہ کی کتابیں اس نے پڑھی تھی۔ شرح چغمینی ہی پڑھ کر وہ مہندس بنا تھا، جس سے اس نے تاج محل جیسی عمارت بنائی جو آج دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک نمایاں عجوبہ ہے۔[2]

جب ہم قدیم جدید کی بات کرتے ہیں تو اسلامی تناظر میں اس کا پس منظر نہایت ضروری ہے۔ علوم و فنون کی تقسیم اسلامی نقطہ نظر سے مختلف ہے۔ عظیم مفکر امام غزالیؒ (وفات: 505ھ) ان علوم کی تقسیم کسی اور حوالے سے کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں :

> ***أما فرض الكفاية فهو كل علم لايستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا كالطب أنه هو ضروري في حاجته بقاء الأبدان، وكالحساب فإنه ضروري فى المعاملات وقسمة المواريث.***[3]
>
> پس وہ تمام علوم فرض کفایہ ہیں جن کی حاجت امور دنیا کے قائم رکھنے میں ہے، جیسے طب کہ وہ تن درستی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے، یا جیسے حساب کے معاملات، وصیتوں اور ترکوں کی تقسیم وغیرہ میں اس کی حاجت ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ امام غزالی کا عہد آج سے ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ امام غزالی اپنے عہد میں اس بات پر بڑی حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ جب علوم دینیہ کی طرح بعض علوم دنیوی بھی فرض کفایہ ہیں تو مسلمان دنیوی علوم کی تحصیل کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے؟ فرماتے ہیں :

---

1 غازی، محمود احمد، مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم۔ الشریعہ اکادمی، گوجراں والا: ص ۵۷

2 ایضاً، ص ۵۷

3 امام غزالی۔ احیاء علوم الدین۔ کتاب العلم۔ مصر، مکتبہ البابی الحلبی: ج ۱، ص ۱

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

"بعض شہر ایسے ہیں کہ جن میں ذمی کافروں کے سوا کوئی طبیب نہیں ہے اور فقہ کے وہ احکام جو طبیبوں سے متعلق ہیں ان میں ذمی کافروں کی شہادت کافی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم کسی ایسے شخص کو بھی نہیں دیکھتے کہ وہ علم طب کی تحصیل کی طرف مائل ہو بلکہ اس کے برعکس لوگ فقہ کی تحصیل میں مبالغہ کرتے ہیں۔"[1]

امام غزالی اس خیال کے بھی سختی کے ساتھ مخالف ہیں کہ علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا اجتماع یا ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن نہیں ہے۔ امام صاحب کی فکر اور اس خیال کی تردید کا خلاصہ یہ ہے کہ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علوم عقلی، شرعی علوم کے منافی ہیں اور ان دونوں کے درمیان اجتماع ناممکن ہے۔ درحقیقت یہ خیال لوگوں کی کم نظری اور کوتاہ بینی کی دلیل ہے۔[2] اسی طرح ایک مقام پر امام غزالی نے علوم عقلی اور علوم شرعی میں تطبیق کی دعوت دی ہے۔[3]

برِصغیر پاک وہند میں صوفیا کا کردار، اسلام کی ترویج واشاعت میں ان کی مساعی اور خدمات تاریخ کا نمایاں حصہ ہیں۔ ان صوفیا میں حضرت ابوالحسن علی الہجویری رحمہ اللہ کا نام حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی شہرت شیخ طریقت کی حیثیت سے زیادہ ہے، لیکن آپ علوم فضل کا مجسم پیکر تھے۔ آپ کی کتاب کشف المحجوب اسلام کے دینی اور صوفیانہ ادب میں نمایاں ترین قدر و منزلت کی حامل ہے۔ حضرت شیخ اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب میں اس موضوع کی تنقیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **تفكر ساعة خير من عبادة ستين** یعنی ایک گھڑی کا تفکر 60 سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ جس علم کا سیکھنا ہر ایک کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے وہ خدا کی شریعت خصوصاً اس کے فرائض وواجبات کا علم ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے علوم کا اس حد تک سیکھنا جس حد تک یہ شریعت الٰہی کے احکام اور ان کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے درکار ہوں وہ آپ سے آپ ہیئت، علم سیاست، علم اقتصادیات، علم قانون اور علم صنعت وتجارت وغیرہ کیوں کہ ان کے کم از کم اصولی علم کے بغیر انسان کی انفرادی واجتماعی اور عمرانی زندگی کے مسائل کا فہم وادراک اور ان پر اصول شریعت کا انطباق کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس سے زائد جس قدر علم آدمی حاصل کرلے وہ مستحسن اور مطلوب ہے لیکن فرض نہیں ہے"۔[4]

قدیم وجدید تعلیم کی بحث کئی رخ رکھتی ہے۔ اس بنا پر اس بحث کو چند اشاروں میں سمیٹنا مشکل امر ہے۔ اسی طرح اس بحث کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کو لے کر نتائج اخذ کرنے کی مشق درست سمت میں رہ نمائی کے لیے کافی نہیں ہوسکتی۔ مناسب ہوگا کہ ہم ایک اہم خدشے کا بھی اظہار کرتے چلیں۔ اس بحث کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ یہ راہ

---

1 احیاء علوم الدین: ج ۱، ص ۱۱

2 ایضاً: ص ۲۲

3 ایضاً

4 ہجویری، علی، کشف المحجوب، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی: ص ۶۷

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

خطرات سے پُر ہے، لیکن یہ پہلو بھی اہل علم کے پیش نظر رہا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے، جن کی نہ صرف یہ کہ پاک وہند کی تاریخ پر گہری نظر تھی بلکہ وہ درس نظامی اور اس کے متعلقہ پہلوئوں پر ماہرانہ نظر اور مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے، اس پہلو پر بھی گفتگو فرمائی ہے۔ آپ کی رائے میں:

''بعض حضرات، بعض علمائے کرام جب اِس پر تامل کا اِظہار کرتے ہیں تو اُن کا تامل بالکل بجا ہوتا ہے۔ ان کا تامل اِس لئے ہوتا ہے کہ بعض لوگ اِسلامی علوم کو خادِم اور عصری علوم کو مخدوم بنا کے ایک جگہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اِسلامی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ اِسلامی تاریخ میں کسی بھی عصری علم یا عصری فن سے جب اِستفادہ کیا گیا تو اِسلامی علوم اَور اِسلامی ثقافت اور تہذیب کے خادِم کے طَور پر اس سے کام لیا گیا اور اِس خادِم نے اِسلامی علوم کو مخدوم بنا کر اُن کی خدمت کی۔ یہ آپ کو علمِ طب میں بھی نظر آئے گا، تفسیر میں بھی، حدیث میں بھی، فقہ میں بھی، اُصولِ فقہ میں بھی، کلام میں بھی، حتیٰ کہ تصوف میں بھی۔۔۔۔ اِس لئے یہ بات کہ عصری علوم سے استفادہ کوئی نئی چیز ہے، جس کی آج بعض لوگ دعوت دے رہے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ عصری علوم سے استفادہ ہر دَور میں مسلمان اہلِ علم کرتے آئے ہیں۔ اِس شرط کے ساتھ کہ عصری علوم پر ناقدانہ نظر رکھتے ہوں، مقلّدانہ نہیں۔ مقلدانہ نظر تو خطرناک ہوتی ہے۔ ناقدانہ نظر، عصری علوم پر رکھتے ہوں تاکہ عصری علوم کو، جو بھی جس زمانے کے علوم ہیں اُن کو اِسلام کی خدمت کے لیے اور اِسلامی علوم وفنون کو نئے انداز سے مرتب اور مدوّن کرنے کے لیے بیان کریں''۔[1]

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے قدیم وجدید کے اتصال کے نقطہ نظر کی عملی تعبیر کے حوالے سے مفتی محمد تقی عثمانی اس راستے کے دو اہم خطرات کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"پچھلی صدی میں قدیم وجدید علوم کو یک جا کرنے کے سلسلے میں بہت سی کوششیں ہوئی ہیں، جن میں سے اکثر ناکام ہوئیں اور ان سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے، ان ناکامی کے بنیادی اسباب میری نظر میں دو ہیں، ایک یہ کہ ان کو یک جا کرنے کے سلسلے میں نقطۂ نظر ہی غلط تھا، منطق کا ایک اصول ہے کہ ''نتیجہ اصل کے تابع ہوتا ہے'' بعض جگہ جہاں ان دونوں علوم کو جمع کیا گیا وہاں اس کا مقصود صرف دنیا تھا کہ اس سے سرکاری ملازمتیں مل جائیں وغیرہ، تو اس میں نتیجہ اصل کے تابع رہا، جس کی وجہ سے خالص دینی مزاج جو دینی مدارس سے پیدا ہونا چاہئے وہ نہیں ہو سکا، اور بعض جگہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ جدت پسندی کے شوق میں مدارس کے مزاج ومذاق کو قربان کر دیا گیا، دینی مدارس کے اصل روح تعلق مع اللہ، رجوع الی اللہ اور اتباع سنت رسول اللہ ہے، اس روح کو قربان کر دیا جائے تو پھر اس کا اصل مقصود حاصل نہیں ہوتا، لیکن جہاں اس بات کا اہتمام ہو کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے باوجود مزاج ومذاق، طرزِ عمل اور مجموعی ماحول میں دینی رنگ ہی غالب رہے گا، قرآن وسنت ہی کو مرکزی حیثیت حاصل رہے گی اور عصری علوم

1 غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ ''دینی وعصری تعلیم کا امتزاج، فوائد ونقصانات''۔ مشمولہ مجموعہ مقالات، تدریب المعلمین۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، لاہور، نومبر 2010ء: ج۲، ص۱۸۲

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

کے ساتھ جو آزاد مزاجی اور دین بے زاری وابستہ کر دی گئی ہے اس سے بچا جائے گا تو ان شاءاللہ یہ تجربہ انتہائی کام یاب ہو گا۔"[1]

اس ساری گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اس راستے میں آنے والے والی رکاوٹیں کس سبب سے تھیں؟ اس کا بنیادی سبب طریقہ کار میں موجود کجی تھی، اس کی بنیادی فلاسفی میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو اس راہ کو کھوٹا کرنے کا باعث بنتی۔ لیکن بہت سے تجزیہ نگار اس حوالے سے تجزیہ کرتے ہیں تو ان کی توجیہات حقائق سے مختلف ہوتی ہیں۔

عملی میدان میں فضلائے مدارس کے لیے امکانات

ان حالات کے سبب آج مدرسے کا فاضل اور درس نظامی کا پروردہ ہر جانب سے تنہائی کا شکار ہے۔ خود اہل مدارس نہ تو ان کی بعد از فراغت مشغولیت و مصروفیت کے بارے میں کوئی واضح ذہن رکھتے ہیں، نہ عملاً کچھ کرنے کی فکر ہی ان کی جانب سے سامنے آتی ہے۔ رہے عصری ادارے اور ان کے سرپرست، تو ان کے لیے تمام تر مدرسہ کے تعلیم یافتہ افراد ناقابل التفات ہیں۔ سو یہ بے چارے کس کی راہ دیکھیں؟ جو کچھ بن پڑتا ہے وہ از خود کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اس راستے میں بھی اس قدر رکاوٹیں ہیں کہ الامان۔ شہادت العالمیہ رکھنے والے فضلا اگر اس لئے اپنی سند کا معادلہ (Equivalence) کروانا چاہیں تو اس کے لیے ایچ ای سی یا متعلقہ یونیورسٹی سے معادلہ لینے کا دورانیہ ڈیڑھ سے دو ماہ ہے۔ جب کہ اس غرض سے اپنی مادر علمی سے جب فضلا رابطہ کرتے ہیں، اور ان سے متعلقہ دستاویز اور ان پر دستخط حاصل کرنا چاہتے ہیں تو معمول سی کارروائی کی تکمیل کے لیے دو دو ہفتے وہیں صرف ہو جاتے ہیں۔

پھر فضلائے مدارس کی ہر سال بڑھتی ہوئی تعداد کا سہرا تو ہر سال کئی بار اپنے سر لیا جاتا ہے، مگر اس کے بعد انہیں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آج تک تو کوئی اس میں ابتدائی نوعیت کا بھی سروے سامنے نہیں آسکا کہ فضلائے مدارس میں سے کتنے فیصد مدارس میں استاد ہیں، کس قدر امامت کی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں؟ اور کس قدر کاروبار میں مصروف ہو کر درس و تدریس کی راہ ترک کر چکے ہیں؟ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بے شمار طلبہ بمعہ آج رکشے چلا کر مزدوری کر کے، حتیٰ کہ چپڑاسی یا گارڈ کی نوکری کر کے، یا پھر درزی، الیکٹریشن یا کسی اور ہنر سے وابستہ ہو کر اپنی زندگی کی گاڑی دھکیل رہے ہیں، اور ایسے تو کتنے ہی ہیں جو کمپیوٹر کتابت یا بعض گرافکس سے منسلک ہو کر اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ اگر ان فضلا سے یہی کچھ مقصود تھا تو ان کے 10، 8 سال اور قوم کے کروڑوں اربوں روپے آخر کیوں صرف کئے گئے؟ یہ سب تو وہ اس کے بغیر بھی کر سکتے تھے۔

دراصل تربیت کے ساتھ ساتھ منصوبہ بندی کا سخت فقدان ہے۔ یہ سب ہمیں ہی کرنا ہے۔ کیوں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مدارس کو ہر طرح کی داخلی و خارجی، مالی و نصابی، تعلیمی و غیر تعلیمی خود مختاری کے تو ہم دعوے دار ہوں (جو

1 عثمانی، محمد تقی، مفتی، ایک فکر انگیز خطاب۔ مشمولہ سہ ماہی حسن تدبیر، دہلی۔ مدارس نمبر، فروری ۲۰۱۱ء (مدیر: مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی): ص ۵۲۳

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

موجودہ حالات میں بہ جائے خود درست دعویٰ ہے) مگر اس کے نتیجے سے نکلنے والی کھیپ کو سنبھالنے کا کام حکومت وقت انجام دے؟

ہم اپنے پورے تجربے اور طلبہ کی زندگیوں کے مشاہدے کو سامنے رکھ کر چند تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ان فضلا کے لیے میدان عمل نہایت وسیع ہے۔ صرف سوچ کو وسعت دینے اور افق سے پار دیکھنے والی بصارت و بصیرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

1۔ تعلیم کے میدان میں ان فضلا کے لیے آگے بڑھنے کے بے شمار امکانات ہیں۔ اس قدر کہ ان کا ہم یہاں شاید احاطہ بھی نہ کر سکیں۔ مثلاً:

الف۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک اسلامیات اور عربی کے اساتذہ کی ضرورت کے پیش نظر بطور معلم، لیکچرر، اور پروفیسر ذمہ داریاں سر انجام دینے کے کافی مواقع ہوتے ہیں۔ اس ذمہ داری کے لئے طلبہ وطالباتِ مدارس کو علم کے ساتھ مقصدیت یا ضرورت اور رزق حلال کی ذمے داریاں سے آگاہ کر دیا جائے اور مکمل تربیت کے بعد ان اداروں میں ان کو خدمات کے مواقع فراہم کئے جائیں تو بہتر نتائج آ سکتے ہیں۔

ب۔ مذکورہ مقصد کے لیے اگر مختلف وفاق کوئی عملی اقدام نہیں کرتے تو کم از کم ایسا ادارہ ضرور سامنے آنا چاہئے جو پہلے مرحلے میں درج ذیل تین کام انجام دے۔

1۔ طلبہ کو کیریئر کونسلنگ (Career Counseling) کے ذریعے یہ رہ نمائی فراہم کی جائے کہ وہ کہاں کہاں خدمات انجام دے سکتے ہیں؟

2۔ ایسے اداروں کے ساتھ رابطے قائم کر کے فضلا تک یہ معلومات بہم پہنچائے کہ کس کس ادارے میں کس کس سطح کی تعلیمی قابلیت رکھنے والوں کی ضرورت ہے۔

3۔ قابل طلبہ کو ان اداروں کے لیے مختصر کورسز کے ذریعے عملی و فکری طور پر تیار بھی کیا جائے تاکہ وہ ان اداروں کے معیار پر پورا بھی اتر سکیں اور وہاں بہتر نتائج بھی دے سکیں۔

ج: جو طلبہ اپنی تعلیم کا سلسلہ شہادت العالمیہ کے بعد آگے بڑھا سکتے ہوں، ان کے لیے بھی اس نوع کی رہ نمائی کا اہتمام کیا جائے، جس کا ہم جز "ب" کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں۔

د: تعلیمی میدان میں فضلائے مدارس عام طور پر اسلامیات اور عربی سے آگے نہیں بڑھے۔ انہیں یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔ مثلا: سیاسیات، ابلاغ عامہ، تاریخ، خصوصاً اسلامی تاریخ، اردو، عمرانیات اور سماجیات وہ شعبے ہیں، جن سے ان فضلا کی وابستگی ان کے لیے بھی مفید ہو سکتی ہے، اور ان اداروں کو بھی ان فضلا کی صلاحیتوں سے استفادے کا موقع مل سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ عام مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی قسمت اور محنت کے بل بوتے پر ان اداروں تک رسائی پا گیا تو اس نے اپنا اچھا تاثر ضرور چھوڑا ہے۔ یہ کام اگر اجتماعی سطح پر کسی منصوبہ بندی کے تحت ہو گا تو اس کے امکانات مزید بڑھ سکتے ہیں۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ھ: آج ایک بڑی تعداد عصری جامعات میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کر رہی ہے۔ اس میں بھی زیادہ تر کا رخ اسلامیات اور عربی کی جانب ہے۔ اس ضمن میں بھی ایسے ادارے کی ضرورت ہے، جو ضرورتوں اور ہر شعبے میں پوسٹوں کا تعین کر کے نیز فضلا کے ذہنی رجحان کو جانچ کر ان کی رہ نمائی کرے۔ تاکہ وہ نہ صرف اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کریں، بلکہ اس کے بعد وہ صحیح معنٰی میں معاشرے کو اپنی صلاحیتوں سے مستفید کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس راستے میں ایک رکاوٹ دینی تعلیم اور دینی خدمات کا ہمارا محدود ناقص تصور ہے۔ ہم اسکول اور کالج کی ملازمت کو اپنے دائرے سے باہر کی چیز تصور کرتے ہیں۔ یہ فکر سراسر غلط ہے۔ آخر جب ہمارا ایک فاضل رکشہ چلا کر رزق حلال کما سکتا ہے تو نسلِ نو کی تعمیر کر کے، اس کے ذہنوں میں ابلنے والے تشکیکی سوالات ختم کر کے کیوں رزق نہیں کما سکتا؟ یہ فکر عام ہو سکتی ہے، بہ شرطے کہ ہم عوام کو کالانعام قرار دینے کے اپنے تصور سے احتراز کر لیں۔

2۔ دعوت کا میدان تعلیم سے بھی وسیع تر ہے۔ دعوت سے ہم نے محض چند روایتی تنظیمیں مراد لے لی ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان تنظیموں کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، نہ ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ دعوت کے وسیع تر تناظر کو، اس کے تمام غیر دائرہ کار کو اور اس کے ہمہ جہت پہلوئوں کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں اس کے لیے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ جن جن اداروں میں دعوت اور ارشاد کے شعبوں میں تخصص ہو رہا ہے۔ یہ تخصص بہ جائے خود ایک اچھی کاوش اور درست سمت میں ضروری قدم ہے۔ انہیں مزید مضبوط بنیادوں پر منظم کیا جائے، اور ایک دعوتی کلچر مدارس متعارف کرایا جائے۔ نیز اس بات پر سنجیدگی سے توجہ دلائی جائے کہ ہر عالم خصوصیت کے ساتھ داعی بھی ہے یا کم از کم اسے داعی ہونا چاہیے۔

دعوت کے دائرہ کار کو ہم چند نکات میں بیان کر سکتے ہیں۔

الف۔ ائمہ و خطبا کے ساتھ ساتھ ایسے داعیان کی تیاری جو اپنے اپنے علاقے، محلے، مساجد اور درس گاہوں میں ابتدائی دینی ضرورتوں کی تکمیل کر سکیں۔ یہ کام ائمہ مساجد بھی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ بھی ایسے حضرات کی ضرورت رہے گی، جو اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکیں۔ اور اگر یہ فکر عام ہو جائے تو نسبتاً بہتر مالی حالت کی حامل مسجد ائمہ اور خطبا کے ساتھ ساتھ ایسے داعیان کا اپنے ہاں تقرر کر سکتی ہے۔

ب: بیرون ملک دعاۃ کی ضرورت ہر لمحے بڑھ رہی ہے، لیکن ہم اب تک تو اس ضرورت کا ہی صحیح معنٰی میں ادراک نہیں رکھتے۔ اس کی تکمیل کا سامان کون کرے گا؟

ج۔ مدارس خصوصاً بڑے مدارس کے لیے، اور ان کی تعداد آج الحمد اللہ ہمارے ہاں سیکڑوں سے تو ہر صورت میں متجاوز ہے، یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ ایسے دعاۃ کا تقرر کریں، جو تربیت کے بعد مختلف اداروں میں جا کر آج کے محاورے میں، آج کی ضرورتوں کے مطابق درس کے ذریعے، لیکچرز، پریزنٹیشن کے ذریعے اور حاضرین کے سوالات کے جواب دے کر اسلام کا پیغام پہنچا سکیں۔ ہم نے اس کا تجربہ محدود پیمانے پر کیا، اور مختلف موضوعات پر سیرت طیبہ کے حوالے سے مختلف عصری تعلیمی اداروں میں لیکچرز کا اہتمام کیا۔ الحمد اللہ، نہایت اچھے اور حوصلہ افزا نتائج سامنے آئے۔

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

3۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں آج شریعہ مشاورت یعنی (Advisors or Consultants) کی ضرورت ہے۔ آج یہ ضرورت عام طور پر بہت کمزور صلاحیتوں والے حضرات سے پوری کی جارہی ہے۔ مگر اس کی طلب معاشرے میں بڑے پیمانے پر موجود ہے، البتہ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے رجال کار موجود نہیں ہیں۔ یہ صورت حال اس حوالے سے تو خوش آئندہ ہے کہ ضرورت کا بہ ہر حال احساس معاشرے میں بیدار ہو رہا ہے۔ مگر یہ احساس کافی نہیں، اس حوالے سے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ بہت سے شعبوں میں ماہرین کی تیاری مطلوب ہے۔ ان تمام ماہرین کے لیے اولین شرط دینی علوم سے بھرپور وابستگی ہے۔

ان شعبوں میں نہایت محدود تعداد میں طب، انجینئرنگ، اور کچھ زیادہ تعداد میں بینکنگ، تکافل اور دیگر معاشی ادارے، کارپوریٹ سیکٹر، آئی ٹی، سافٹ وئیر ڈیزائننگ وغیرہ شامل ہیں۔

4۔ مندرجہ بالا ضرورتوں کی تکمیل اور ان رجال کار کی تیاری کے لیے بہت سے مختصر کورسز متعارف کرانے کی ضرورت ہے ان میں:

ا۔ انگریزی زبان
ب۔ نظم اوقات (Time Management)
ج۔ قائدانہ صلاحیتیں
د۔ فن خطابت
ھ۔ منہج التحقیق اور تحریر وتدوین
و۔ خودشناسی
ز۔ نفسیات

ان مضامین کے لیے بڑے بڑے کورسز کی بہ جائے فضلائے مدارس کے لیے شام کے اوقات میں مختصر دورانیے کے کورس متعارف کرکے بہترین نتائج لیے جاسکتے ہیں۔

عمومی تجاویز

اس کے علاوہ اپنے موضوع کے حوالے سے، یعنی فضلائے درس نظامی سے زیادہ وسیع تناظر میں استفادے کے لیے اور ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشنے کے لیے ہم ذیل میں چند عمومی تجاویز پیش کرکے اپنی گفت گو کی تکمیل کرتے ہیں۔

1۔ فضلائے مدارس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی زبان وبیان کی جانب خصوصاً عربی اور انگریزی زبان کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول ہو۔ اور انگریزی سے بھی بڑھ کر اردو کی طرف توجہ ہونی چاہئے۔ خصوصاً اردو کے قدیم اور بنیادی ادب کا کسی قدر حصہ انہیں ضرور پڑھایا جائے۔ اس حوالے سے ہندوستان کے علما کا مقام پاکستان کے فضلا سے بہتر ہے، کیوں کہ اردو کے قدیم اور بنیادی ادب سے ان کی واقفیت کسی نہ کسی درجے میں موجود ہوتی ہے۔

2۔ فضلائے مدارس کی فکری تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے، اور ان میں مزید تدین اور استقامت پیدا کی جائے اور تعصب اور تصلب کا فرق ذہنوں میں راسخ کیا جائے۔

3۔ ادیان وفرق عالم خصوصاً یہودیت، عیسائیت اور ہندومت کا علمی مطالعہ کرایا جائے۔ یہ مطالعہ معروضی ہو، محض طعن و تشنیع اور تردید پر مشتمل نہ ہو۔ ان مذاہب کی اصل تاریخ اور ان کے معتقدات کا صرف تعارف ہی

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

ان فضلا کے سامنے رکھ دیا جائے تو قرآن وسنت سے واقف شخص کے سامنے مزید کسی تردیدی بیان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

4۔ فضلا کو نفسیات اور مخاطبت کے اصول پڑھانے نہایت ضروری ہیں، تاکہ وہ مخاطب کو پہچان کر بات کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکیں۔

5۔تدریب المعلمین کی اشد ضرورت ہے۔

6۔ شخصیت کی تہذیب و تربیت بھی ضروری ہے، اچھے انسان کی پہچان، تراش خراش، لب ولہجہ، گفتار، اطوار، عادات ان میں پیدا کرنا ضروری ہیں، تاکہ یہ فضلا متاثر کن شخصیت کے حامل ہو سکیں۔ خیال رہے کہ اس سے مراد سادگی ترک کرنا نہیں۔ نہ اس سے مراد قیمتی ملبوس، قیمتی موبائل، گھڑیاں، عینک اور جوتے ہیں۔ سادہ کپڑوں میں بھی سادگی مگر متانت کا حامل شخص اپنا اچھا تاثر چھوڑ سکتا ہے۔ بہ شرطے کہ اس کے اطوار، عادات اور نشست و برخاست میں تہذیب پائی جاتی ہو۔

7۔ سلوک واحسان کی عملی افادیت اور تزکیۂ نفوس کی ضرورت بھی ان کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے، تاکہ مادیت کے اس دور میں پیسے، عہدے اور تکلفات کی بڑھتی ہوئی ہوس سے ان فضلا کو محفوظ رکھا جا سکے۔ ان فضلا کا اس سیلاب کی نذر ہو جانا معاشرے کے لیے دہرے نقصان کا باعث ہے۔

مثالی اسلامی نظامِ تعلیم کے لیے عملی خاکہ

یہاں مناسب ہے کہ اس تمام گفت گو کے بعد اصلاح احوال کے لیے ابتدائی طور پر کوئی عملی خاکہ بھی پیش کیا جائے۔ لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ ایک ابتدائی شکل ہے۔ اس کی ترتیب میں تمام ماہرین تعلیم کی موجود تحریری کاوشوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ مختصر خاکہ ہے، اس کے مطابق نصاب تیار کرنے کے لیے ماہرین کی کمیٹی کا قیام ضروری ہوگا، یہ نظام ممکنہ طور پر درج ذیل چھ مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ پہلا مرحلہ پرائمری تک (ایک تا پانچ) کا ہوگا، اس میں اردو تحریر، ناظرہ قرآن، نماز، مختصر عقائد، ابتدائی ریاضی، اور چوتھی پانچویں جماعت میں انگریزی کے ابتدائی اسباق ہوں گے، نرسری، کے جی، انگلش میڈیم اسکولوں کا نصاب متروک ہوگا۔ ناظرہ قرآن کریم کے لیے الگ وقت مقرر ہوگا۔

ب۔ یہ مڈل کا مرحلہ ہوگا، اس میں چھٹی تا آٹھویں جماعت شامل ہوگی، اس درجے میں، انگریزی، اسلامیات، معاشرتی علوم، ابتدائی سائنس، ریاضی کے ساتھ ساتھ عربی صرف ونحو اور فارسی کے ابتدائی اسباق بھی شامل ہوں گے، نیز آخری پارے (پارہ عم) کا صرف ترجمہ تینوں سالوں میں مکمل کرایا جائے گا۔

ج۔ یہ میٹرک پر مشتمل ہوگا، اس مرحلے میں چار گروپ قائم ہوں گے۔

1۔درس نظامی، 2۔آرٹس 3۔کامرس 4۔سائنس

اس مرحلے میں اسلامیات، عربی، انگلش، تاریخ کے اسباق لازمی ہوں گے، صرف سائنس اور کامرس والوں کے لیے ان کے اپنے اسباق پر زیادہ توجہ ہوگی۔ اس کے مقابلے میں درس نظامی والوں کے ہاں ان سالوں میں

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

تفسیر، حدیث و فقہ وغیرہ پر زیادہ وقت صرف ہو گا،(ثانویہ عالیہ کا عمومی نصاب ہو گا)۔اسی طرح آرٹس والے اپنے شعبے کے چند ضروری اسباق پر توجہ دیں گے۔زیادہ تر نصاب لازمی اور سب کے لیے مساوی ہو گا۔

د۔یہ انٹر میڈیٹ کا ہو گا،اس سطح پر بھی وہی چار گروپ قائم رہیں گے،اور وہی بنیادی نظریہ پیش نظر رہے گا،جو میٹرک کی سطح پر تھا۔

ھ۔یہ اعلیٰ تعلیم کا مرحلہ ہو گا،اب اسلامیات واردو کے لازمی مضمون کے علاوہ چاروں گروپ کے اسباق علیحدہ ہو جائیں گے، نیز قانون وزراعت وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز بھی یہاں سے ہو گا،اس کے تحت:

1۔میڈیکل کی پانچ سالہ تعلیم

2۔انجینئرنگ و قانون کی چار سالہ تعلیم ہو گی، اور ان میں سائنس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر خصوصیت کے ساتھ پڑھایا جائے گا،اور قانون کے لیے، عربی اور اسلامی فقہ لازمی مضمون ہوں گے۔

3۔درس نظامی مزید پانچ سالہ ہو گا:اس دوران دورۂ حدیث 2 سالہ ہو گا،اس کے ساتھ ساتھ ڈگری اور بی،اے کے امتحانات نہیں ہوں گے۔اسی طرح منشی فاضل اور عربی فاضل وغیرہ بھی متروک ہو جائیں گے۔

و۔آخری مرحلہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کا ہو گا،اس میں تمام متخصصین تیار ہوں گے۔

ز۔عام تعلیمی اداروں کے تعلیمی نظام کی جب تک انقلابی تبدیلیوں کے بعد قلب ماہیت نہیں ہو جاتی اور ان کا نظام مکمل طور پر تبدیل نہیں ہو جاتا۔اس وقت تک عالمی تعلیمی کانفرنس منعقدہ مکہ مکرمہ (31 مارچ 1977ء) کی سفارش کے مطابق دینی تعلیم کے مراکز کو علیٰ حالہا قائم رکھ کر ان کی مکمل حفاظت کا انتظام کیا جائے اور ان کی آزادی کی ضمانت فراہم کی جائے۔[1] **واللہ الموفق ، وھوالمستعان و علیہ التکلان ،وما علینا الا البلاغ.**

1 عثمانی، محمد تقی، مفتی، ہمارا تعلیمی نظام۔کراچی،ادارۃ المعارف:ص۱۴۸

ملاحظہ ہو:سید عزیز الرحمن۔تعلیمات نبوی اور آج کے زندہ مسائل۔کراچی زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔:ص۲۹۳،

Al Baṣīrah, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad. https://albasirah.numl.edu.pk/
This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)